علامہ غلام رسول سعیدیؒ کی قلمی خدمات

(مقالاتِ سعیدی کا خصوصی مطالعہ)

Literary Services of Allama Ghulam Rasool Saeedi

With Special Reference to Maqalat-e-Saeedi

☆ڈاکٹر محمد عاطف اسلم راؤ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

☆☆ڈاکٹر حافظ محمد صدیق

اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ شریعہ و قانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:

In Islamic History, many Muslim jurists and religious scholars served Islam and Muslims in the shape of their writings so they could benefit the Muslim Ummah according to their capabilities. In the recent era, when we try to find the Muslim scholars particularly in Pakistan who served in spreading Islamic teaching by their writings in several fields of Islamic sciences especially in Qur'anic and hadith sciences. One of such dignities is Allama Ghulam Rasool Saeedi (1937-2016) . There are many dimensions in Allama Saeedi's life. At once, he was a teacher, religious scholar, mufassir, muhaddith. In fact, he was an institution himself and a complete person in his own in the field of Islamic sciences. His immaculate research works and writings signify an evident place in the field of Qur’anic and Hadith sciences particularly written in Urdu language. The current paper discusses briefly various dimensions of his literary services and focuses on his one of the masterpiece ‘Maqalat-e-Saeedi’.

Keywords: Ghulam Rasool Saeedi, Literary Works, Islamic Studies, Maqalat-e-Saeedi, Tafsir, Hadith, Islamic Law, Pakistan.

تاریخ اسلام کا دامن علمائے کرام فقہائے عظام اور محققین کے کارناموں سے مالا مال ہے، گزشتہ چودہ صدیوں میں مختلف میدانوں میں اکابر رجال پیدا ہوئے ہیں۔ ہر دور میں علماء وفضلاء نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسلام کو ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی کے طور پر متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ جب ہم دور حاضر کے ان علماء وفضلاء پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے علم دین کے فروغ میں بے پناہ خدمات سرانجام دیں ہیں تو ان میں ہمیں ایک نام علامہ غلام رسول سعیدیؒ کا بھی ملتا ہے۔

علامہ سعیدیؒ کی زندگی متعدد جہات ہیں: وہ بیک وقت مدرس بھی تھے اور واعظ بھی۔ وہ ایک دینی رہنما بھی تھے اور صاحب تصنیفات کثیرہ بھی۔ وہ اپنی ذات میں ایک پورا ادارہ تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ دین متین کی خدمت میں صَرف کیا۔

علامہ غلام رسول سعیدیؒ کی قلمی خدمات نہ صرف ان کی زندگی میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں بلکہ اطراف واکناف سے سند قبولیت بھی حاصل کی۔ اللہ رب العزت نے آپ کو کثرت تصانیف کی نعمت کے ساتھ ساتھ مقبولیت عامہ ومنفعت تامہ بھی عطا کی، اپنے ہوں یا پرائے، علماء اور عوام سب نے آپ سے استفادہ کیا۔ چنانچہ مفتی منیب الرحمٰن لکھتے ہیں:

"علامہ غلام رسول سعیدیؒ علیہ الرحمۃ کا شمار ان جید علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے علم وفضل تصانیف وتالیفات اور تدریس وخطابت کے ذریعے توحید والوہیت جل جلالہ کے پرچار، عشق رسالت مآب ﷺ کے فروغ اور امت محمدیہ کی اصلاح کے لیے ان گنت مساعی جمیلہ انجام دیں، آپ بلاشبہ اپنے عہد کے مفسر اعظم، محدث کبیر، فقیہ العصر، فقید المثال مدرس اور مثالی خطیب تھے۔ آپ جامع کمالات ہیں، خزینہ علوم ومعارف ہیں، آپ کے علمی فیوض ومعارف سے استفادہ کرنے والے بلا مبالغہ دنیا کے ہر خطے اور ہر براعظم میں موجود ہیں، کسی حلقہ ارادت یا حلقہ ارباب عقیدت کی تشہیری مہم کے بغیر اللہ عزوجل نے آپ کو اطراف واکناف عالم میں بے پناہ پذیرائی، قبول عام اور شہرت دوام عطا فرمائی۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ وقت گزرنے

کے ساتھ ساتھ آپ کی علمی قامت کا مَنارۂ نور بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے گا اور پوری دنیا آپ کی علمی عظمت کو سلام کرے گی۔"[1]

بلاشبہ علامہ سعیدیؒ نے تفسیر تبیان القرآن و تبیان الفرقان، شرح صحیح مسلم و شرح صحیح بخاری کے علاوہ بھی کئی ایک علمی و تحقیقی کتب تصنیف و تالیف کی ہیں۔ چناں نچہ زیرِ نظر مقالہ میں علامہ سعیدیؒ کی کتاب "مقالات سعیدی" کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ

علامہ غلام رسول سعیدیؒ کی تصنیفات و تالیفات کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان پر مختلف حوالوں سے ۱۰۰ سے زائد ایم۔اے، ایم فل، پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کیے گئے ہیں۔ جن میں ایک فصل کی صورت میں آپ کی کتب کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ لیکن خاص طور پر وہ کتب جو صرف ایک جلد پر مشتمل ہیں ان پر سرسری کلام کیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتب کے محاسن پر بھی تحقیقی کام کیا جائے۔ زیرِ نظر مقالہ میں علامہ سعیدیؒ کی کتاب "مقالات سعیدیؒ" کا خصوصی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

مقالاتِ سعیدی کا تعارف

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ علامہ سعیدیؒ کی یہ کتاب ان کے مقالات کا مجموعہ ہے، جس کے کئی ایڈیشنز اب تک منظر عام پر آچکے ہیں۔ زیرِ نظر ایڈیشن مارچ ۲۰۱۴ء ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا شائع کردہ ہے۔اس کتاب میں علم العقائد کی ابحاث بھی ہیں تو ساتھ ہی خلفائے راشدین کی سوانح و خصوصیات بھی ہیں، عبادات اور ان کا فلسفہ ہے وہیں ساتھ فقہیات کے عنوان سے اجتہاد و بلا سود معیشت پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے، برصغیر کی سیاست اور علمائے اہلِ سنت کا ذکر ہے وہیں اپنی والدہ اور اساتذہ کا بھی تذکرہ بہت عمدگی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب کل ۶۶۲ صفحات پر مشتمل ہے جس میں معلومات کا ایک ذخیرہ ہے، اس کے مقدمے میں علامہ سعیدیؒ رقم طراز ہیں:

"یہ مجموعہ ان مقالات کا ہے جن کو میں وقتاً فوقتاً لکھتا رہا، حصول علم کے زمانے سے مضامین لکھنے شروع کیے، جن میں سے بعض ملک اور بیرون ملک کے مختلف اخبار اور جرائد میں اب تک چھپتے رہے۔ بعض مضامین کا میں ریکارڈ نہ رکھ سکا اور وہ تلف ہو گئے۔ بعض مضامین جو مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں ان کو میں نے اس مجموعے میں شامل نہیں کیا۔"[2]

یہ مجموعہ مقالات بنیادی طور پر درج ذیل ابواب میں منقسم کیا گیا ہے:

۱۔ توحید ورسالت

۲۔ خلفاء راشدین

۳۔ مسائل کلامیہ

۴۔ عبادات

۵۔ فقہیات

۶۔ برصغیر کی سیاست اور علماء اہل سنت

۷۔ شخصیات

علامہ سعیدیؒ کی طرز تحریر کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ وہ ہر طرح کے موضوعات کی مناسبت سے اسلوب اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کو بہ یک وقت کئی زبانوں مثلاً اُردو، عربی اور فارسی پر دسترس حاصل تھی اور اسی پہلو کے سبب ان کی طرزِ تحریر میں بھی جامعیت اور ہمہ گیریت نظر آتی تھی۔ چناں چہ ذیل میں پہلے آپ کے اُسلوبِ تحقیق کی عمومی خصوصیات پیش کی جائیں گی۔

اسلوبِ تحریر کی عمومی خصوصیات

۱۔ اس کتاب میں مضامین اور عناوین کی ایک خاص ترتیب ہے جو اس کتاب کی اہمیت کو دوچند کر دیتی ہے۔

۲۔ علامہ سعیدیؒ نے جو ترتیب ملحوظ رکھی ہے اس کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ انہوں نے ہر جگہ اصول و فروع کو جمع کر دیا ہے چناں چہ اس سے کتاب کی معنوی مناسبت بڑھ جاتی ہے۔

۳۔ مضامین کتنے ہی اعلیٰ کیوں نہ ہوں اگر ان کو بیان کرنے میں سلیقہ مندی کا مظاہرہ نہ کیا گیا ہو تو ان کی تمام مناسبت بے کار ہو جاتی ہے چناں چہ اس پہلو سے بھی مقالات سعیدیؒ منفرد مقام رکھتی ہے۔

۴۔ آپ نے یہ کتاب سلیس اور رواں عبارت میں تصنیف فرمائی ہے۔ جس کی وجہ سے قاری پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

۵۔ علامہ سعیدی چوں کہ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں مہارت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریر میں ادیبانہ رنگ نمایاں ہے اور مختلف آراء کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے آپ مثالوں کے ذریعے اپنی بات کو واضح کرتے ہیں۔ جس سے بحث کی چاشنی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

۶۔ اکثر مقامات پر مختصر عبارات میں زیادہ مفہوم کو پیش کیا گیا ہے گویا کوزے کو دریا میں بند کر دیا۔

۷۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ فقہ حنفی کو بیان کرنے کے لیے جو اسلوب اپنایا ہے وہ بہت عام فہم ہے اور اس کی تفہیم کے لیے دیگر ائمہ کے اقوال کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے علماء و فقہاء کے مسالک کو بھی جمع کیا ہے جس سے قاری کی فکر و نظر میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

۸۔ جہاں پر عربی عبارت کا ترجمہ مقصود ہے وہاں اپنے منفرد انداز میں سلیس ترجمہ کیا ہے جس سے کتاب کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

مقالاتِ سعیدی کے امتیازی خصائص

قدرتِ زبان و بیان

علامہ سعیدیؒ کی تحریروں کو پڑھ کر یہ تاثر با آسانی قائم ہوتا ہے کہ وہ اپنے افکار و نظریات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنے کی مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں ''توحید و رسالت'' کے مضمون میں رقم طراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، وہ نہیں چاہتا کہ انسان گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے اور قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کو شیطان کی زہر آفرینیوں سے ضائع کر دے۔ وہ ہر زاویے اور ہر رخ سے انسان کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ سورج کے طلوع و غروب، گردش لیل و نہار، موت و حیات کے حدوث اور تکلیف و راحت کے توارد میں اس نے انسانی ذہن کی سوچ کے دھاروں کا رخ اپنی ذات کی طرف موڑنے کے لیے ہدایت کا سامان کر رکھا ہے، وہ آسمان و زمین کے حقائق و آثار اور بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کی قوت دیتا ہے تاکہ کسی طور سے انسان کجروی سے باز آئے، اپنے خالق کو پہچانے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کے بے اندازہ لطف و کرم کے احساس سے ممنون ہو کر سجدۂ سپاس بجا لائے۔"[3]

انتشار و افتراق کا خاتمہ اور اتحاد و اتفاق کی تعلیم

علامہ سعیدیؒ اس حقیقت سے بہ خوبی واقف تھے کہ امت کا شیرازہ بکھر چکا ہے، مسلمان مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، معمولی تشریح و تعبیر کے فرق سے بڑے فاصلے پیدا ہو رہے ہیں یہاں تک کہ بعض نادان ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق بھی کر رہے ہیں لہٰذا آپ نے ہمیشہ اپنی تحریر سے مثبت، اعتدال پسندانہ روش اور حتیٰ الامکان اختلاف سے گریز اختیار کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تمام مکاتب فکر نے ہمیشہ آپ کی خدمات کو سراہا ہے بلکہ آپ سے استفادہ بھی کیا ہے۔

الوہیت و نبوت کے اعتبار سے بعض افراد اپنے عقیدہ کا دفاع کرتے ہوئے افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کو سہل انداز میں سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"نبی اپنے تمام کمالات کے باوجود بندہ ہوتا ہے اور ہر قدم پر اللہ کی نصرت اور اس کی رحمت کا محتاج ہوتا ہے۔ نہ نبی کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی نسبت ہوتی ہے، نہ اس کی قدرت کو اللہ کی قدرت سے کوئی علاقہ ہوتا ہے۔ ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہوتی اور ایک رائی کے دانہ پر بھی قدرت میں خدا اور نبی میں کوئی مساوات نہیں ہوتی، نبی کا جو کمال بھی ہوتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا مستعار اور جائز الزوال ہوتا ہے اور اللہ

تعالیٰ کا ہر وصف ذاتی اور لازوال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی غافل نہیں ہوتا اور نبی کی توجہ بسا اوقات بعض چیزوں سے ہٹ جاتی ہے، خدا اور رسول میں اگرچہ قدوم و حدوث اور اصل و استعارہ کا فرق ہوتا ہے لیکن یہ فرق چونکہ عقلی اور نظری ہے اور عام ذہنی سطح سے بلند ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کو ایسے احوال و عوارض میں مبتلا کرتا ہے جس سے اس کے کمالات کا حادث اور مستعار ہونا عام لوگوں کو بھی محسوس اور معلوم ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متعدد بار نبی پر غفلت طاری کرتا ہے تاکہ نبی کے وسیع علم کو دیکھ کر عام آدمی نبی کے علم پر اللہ تعالیٰ کے علم کا دھوکہ نہ کھا سکے۔ اسی طرح عصمت کے باوصف بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی کو نسیان یا اجتہادی خطاء کے عارضہ سے ممنوعہ کاموں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ نبی کی معصومیت ایک عام انسان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نزاہت کاملہ سے مشتبہ نہ ہو جائے اور یونہی نبی کو تسخیر کائنات کی قدرت دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نبی کو درد اور تکلیف اور دوسرے عوارض بشریہ میں مبتلا کرتا ہے تاکہ کوئی شخص نبی کی قدرت پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور اس کی طاقت پر اللہ تعالیٰ کی طاقت کا دھوکہ نہ کھا سکے۔"[4]

علماء و واعظین کی اصلاح

ہر زمانہ میں واعظین و مقررین کی اصلاح کے لیے اس وقت کے جید علماء اور فقہاء نے اپنا فریضۂ دعوت انجام دیا ہے۔ جس کا ایک سبب بعض غلط تاریخی روایات کو مجالس و مواعظ میں بیان کرنا بھی ہے۔ اسی ضمن میں نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ سے متعلق اس کی کیفیت کے حوالہ سے مختلف قسم کی روایاتِ تاریخ اور سیرت موجود ہیں۔ چناں چہ علامہ سعیدیؒ نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور آپ نے ابتداء میں صحیح موقف ان الفاظ میں بیان کیا:

"جو چیز حدیث صحیح سے ثابت ہے اور جو معتمد اور محققین علمائے کرام کا مختار ہے اور جس چیز کی بکثرت کتب سیر میں صراحت ہے اور جو عمل اصول حنفیہ و شافعیہ کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی نماز جنازہ معروف طریقہ سے پڑھی گئی۔ الّا یہ کہ اس نماز جنازہ میں کوئی شخص امام نہیں تھا اور نہ اس میں "اللهم اغفر لحينا و ميتنا" والی معروف دعا پڑھی گئی، بلکہ اس دعا کے قائم مقام حضور ﷺ کی تعریف و توصیف میں کلمات طیبات عرض کیے گئے۔"[5]

آپ نے اپنے موقف کی وضاحت میں ۲۲ صفحات پر بحث کی ہے، جس میں علامہ قسطلانی، علامہ زرقانی، علامہ سرخسی، امام ترمذی کی صحیح حدیث اور اس پر اصول حنفیہ وشافعیہ سے استدلال، پھر ملا علی قاری اور امام مناوی کے اقوال سے استدلال کیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ کتب تاریخ وسیر میں الطبقات الکبریٰ، الوفا باحوال المصطفیٰ، السیرۃ النبویہ لابن کثیر، الخصائص الکبریٰ، سیرت حلبیہ، ماثبت بالسنۃ، جذب القلوب، مدارج النبوۃ اور اشعۃ اللمعات سے روایات پیش کی ہیں۔ آخر میں دردِ دل اور اصلاح واعظین کے لیے لکھتے ہیں کہ:

"حضور ﷺ کی نماز جنازہ کے باب میں ہم نے کافی طویل بحث کی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ آج کل عوام وخواص اور اچھے اچھے علماء اور واعظین حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ صحابہؓ کرام نے حضور ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی صرف صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا تھا۔ چناں چہ واعظین حضرات تقریروں میں اور عام مدرسین اپنے درس میں بھی یہی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ نماز جنازہ اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے، یہ حقوق العباد سے ہے اور متوفیٰ کا مسلمانوں پر حق ہے، عام مسلمانوں کے حق میں اس کا پڑھنا فرض کفایہ اور حضور کے حق میں فرض عین تھا۔"[6]

علامہ سعیدیؒ نے کبھی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کی اور جس کو حق وصواب سمجھا اس کو بیان کیا، دراصل اس موقف کے نہ ماننے سے ایک اور خرابی لازم آرہی تھی کہ بعض اذہان صحابہؓ کرام کے بارے میں بدگمان ہو رہے تھے کہ وہ خلافت کے اختلاف میں پڑے ہوئے تھے جس کی وجہ سے یہ سب ہوا یا انہوں نے نماز جنازہ ہی ادا نہیں کی۔ علامہ سعیدیؒ اس گتھی کو سلجھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس طرح تبلیغ کی غلط روش بالواسطہ صحابہؓ کرام کے بارے میں اس بدگمانی کا سبب بنتی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور فرض عین کو چھوڑ دیا اور حضور ﷺ کا حق ادا نہیں کیا۔ اگرچہ بعض روایات صرف صلوٰۃ وسلام کی بھی وارد ہیں اور ایک جماعت نے اس کا قول بھی کیا ہے لیکن وہ بے سند روایات اور مردود اقوال ہیں۔ آخر اختلاف کس مسئلہ میں نہیں ہوتا، یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مختلف روایات میں سے صحیح روایات کو تلاش کریں اور بلا تحقیق کسی بات کے کہنے سے گریز کریں۔ ہم نے محض اظہار حق اور غلط بیانی کے سدباب کی خاطر حدیثِ رسول ﷺ سے لے کر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علامہ نور بخش توکلی تک کے کثیر علماء کرام کی تصریحات پیش کر دی

ہیں اور دلائل و براہین سے اس مسئلہ کو آفتاب سے روشن تر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقالہ کو بصیرت عامہ کا سبب بنائے۔"[7]

علامہ سعیدیؒ نے اپنی تحریر میں کبھی تصنع اور خواہ مخواہ کے تکلف سے کام نہیں لیا اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ جو بات دوسرے کی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ دلسوزی سے کہی جائے وہ بات ضرور اپنا اثر کرتی ہے اور کانوں کے رستے دل میں اتر جاتی ہے۔

اقوالِ صوفیاء کی صحیح تعبیرات

ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور اولیاء و صلحاء ان تقاضوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اپنے سالکین کی تربیت کرتے ہیں۔ صوفیاء میں بھی بعض اہلِ حق ہوتے ہیں اور بعض باطل پرست۔ اس کی پہچان کا طریقہ فقط یہ ہے کہ ان تعبیرات کو قرآن و حدیث پر پرکھا جائے اگر وہ اس کے مطابق ہوں تو درست مان لیا جائے اور اگر اس کے مخالف ہوں تو انہیں رَد کر دیا جائے۔ عباراتِ صوفیاء سے متعلق آپ مقالاتِ سعیدی میں رقم طراز ہیں۔

> "محی الدین ابن عربی اور بعض دیگر صوفیاء کی عبارات میں اولیاء اللہ کے لیے "انبیاء الاولیاء" کا لفظ ملتا ہے۔ مرزائی حضرات اس قسم کی عبارتوں سے یہ مطلب ثابت کرتے ہیں کہ صوفیاء کرام اولیاء اللہ کے لیے ظلی اور امتی نبوت کے قائل تھے۔ اس بات کا سب سے پہلا اور آخری جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی صریح عبارات کے بعد ہمیں ان مبہم اقوال میں الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ اقوال ضروریات دین میں سے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو چیز کتاب و سنت کے مطابق ہے، وہ مقبول ہے اور جو چیز کتاب و سنت کے مطابق نہیں اس کے بارے میں حسن ظن یہی ہے کہ یہ بعد کے لوگوں کا الحاق ہے، ان کی اصلی عبارت نہیں ہے۔"[8]

چناں چہ یہ اُصول ہمیں ذہن نشیں رکھنا چاہیے اور اس کے ذریعہ بہت سے مسائل کا حل کیا جا سکتا ہے اور صوفیائے کرام کے حوالہ سے پیدا ہونے والی بدگمانیوں کی بھی تلافی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ سعیدیؒ، ملا علی قاری کی عبارت سے ایسی مجمل یا مبہم باتوں کی حقانیت پر دلیل دیتے ہیں:

"واما ما حکی عن ابن العربی من خلاف ذلک فحسن الظن به انه من المفتریات علیه المنسوبات الیه۔

ہر مومن پر ولی کے اطلاق کی جو حکایت ابن عربی سے کی جاتی ہے وہ ان جملہ افتراء آت میں سے ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں۔"[9]

مذکورہ عبارت کے ذیل میں علامہ سعیدیؒ صراحت فرماتے ہیں کہ:

"اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عربی کی طرف بہت سی غلط باتیں منسوب کر دی گئی ہیں۔اس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف ایک پوری کتاب "غنیۃ الطالبین" کے نام سے منسوب کر دی گئی حالانکہ محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ ان کی تصنیف نہیں ہے اور دیکھیے! امام عبدالوہاب شعرانی کی زندگی میں ان کی تصنیف "البحر المورد" میں تحریف کر دی گئی جس کا شکوہ انہوں نے "المیزان الکبریٰ" میں کیا ہے۔پس صوفیائے کرام کی جو ایسی عبارات منقول ہیں، جو صریح قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، ان کا اس کے سوا کوئی اور محمل نہیں کہ وہ محض جعلی، وضعی اور الحاقی عبارات ہیں، انہیں کسی طور پر بھی حجت نہیں مانا جا سکتا۔"[10]

دورِ حاضر میں بھی جعلی صوفی، عامل اور پیروں نے عوام الناس کو بہکانے اور ان سے مختلف فوائد کے حصول کے لیے نئی نئی بدعتوں اور گمراہ کن عقائد و نظریات کا پرچار اور بڑے بڑے دعووں کا بازار گرم کیا ہوا ہے، ہم سے ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کے حق و باطل میں تمیز کریں اور حق کے پرچار میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

عشق رسول ﷺ کی جھلک

خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت وعقیدت رکھنا درحقیقت کمالِ ایمان کا مدار ہے۔ ہر مسلمان لازماً ایک عقیدت مندانہ تعلق رکھتا ہے، جس کی جھلک اس کے کردار ،گفتار اور زندگی کے ہر گوشہ میں نظر آتی ہے یہ ایسی خوشبو کی مانند ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔

علامہ سعیدیؒ کا کردار و گفتار بھی اسی جذبہ محبت کا عکاس تھا۔ راقم نے اپنی کتاب میں اس حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"آپ کا اصل نام شمس الزماں نجمی ہے دوران طالب علمی جب بھی آپ کی والدہ کا خط آتا اس پر نجمی بیٹا لکھا ہوتا تھا۔ جب آپ کی رغبت علم دین کی طرف ہوئی اس وقت آپ نے حضور ﷺ کی نسبت سے اپنا نام غلام رسول رکھا۔"[11]

راقم کو آپ کی کتابوں کے مطالعہ اور ذاتی ملاقاتوں سے یہ تاثر ملا کہ جس طرح آپ نے اپنا قلمی نام غلام رسول از خود اپنے لیے پسند فرمایا، اللہ رب العزت نے رسول کریم کی نسبت و محبت سے آپ کو اسے نبھانے کی سعادت بھی عطا فرمائی۔ آپ جب کبھی نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے کوئی نامناسب تحریر پڑھتے تو فوراً آپ کا قلم جنبش میں آجاتا اور معترض کے تمام اعتراضات کے مسکت جواب دیتے۔ مقالات سعیدیؒ میں "حدیثِ لو لاک" کے حوالہ سے ایک مضمون میں آپ نے خالد بزمی کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

"اس حدیث کی تحقیق کے سلسلے میں اوّلاً گزارش یہ ہے کہ ماہرین حدیث نے تصریح کی ہے کہ "لو لاک لما خلقت الافلاک" معناً ثابت ہے۔ لیکن لفظ" افلاک" کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔"[12]

اپنے موقف پر علامہ سعیدیؒ نے سب سے پہلے ملا علی قاری اور پھر مولانا عبدالحی کی عبارت پیش کی ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"دیلمی نے "فردوس" میں، احمد قسطلانی نے "المواہب اللدنیہ" میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوۃ" میں اور کثیر محدثین اور اجلہ علماء اسلام نے اپنی تصانیف میں اس حدیث کو متعدد الفاظ سے ذکر کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے مسائل کو مستنبط کیا ہے اور اس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ محدثین اور علماء اسلام کے نزدیک حدیث لو لاک صحیح اور ثابت ہے اور یہ متعدد الفاظ سے مروی ہے، البتہ "لولاک لما

خلقت الافلاک "میں" افلاک "کا لفظ کسی روایت سے ثابت نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ علماء اصول حدیث کی تصریح کے مطابق روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔"[13]

پھر آپ ان احادیث کو لائے ہیں جن میں لو لاک کے ساتھ سماء کی صراحت ہے۔ اس ضمن میں "انسان العیون"، "مطالع المسرات"، "نزہۃ المجالس" اور "تجلی الیقین" سے عبارات نقل کیں۔ آخر میں شیخ مجدد الف ثانی کا حوالہ نقل کرتے ہیں:

"سرحدیث قدسی "لولاک لما خلقت الافلاک" راکه درشان ختم الرسل واقع است علیهم الصلوة والتسلیمات این جابایدجست۔ حدیث قدسی "لولاک لما خلقت الافلاک" جو حضور ختم الرسل کی شان میں آئی ہے، اس کا بھید بھی اس جگہ معلوم ہونا چاہیے۔"[14]

علامہ سعیدیؒ نے شیخ احمد سرہندیؒ کا حوالہ اس لیے نقل کیا کہ آپ کی علمی حیثیت کسی پر مخفی نہیں جب آپ متعدد مقامات پر اس روایت کو نقل فرمارہے ہیں۔ تو یہ معترضین کے لیے کافی ووافی ہے۔ اس طرح آپ نے کئی ایک مقامات پر شان رسالت کا دفاع کیا ہے۔

مقالاتِ سعیدی میں مقالہ بعنوان "رشکِ ارم" میں ایک نعمانی نام کے کسی گمنام دشمنِ رسول کے پمفلٹ میں نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی دیکھی تو علامہ سعیدیؒ سیخ پا ہوگئے اور شان مصطفیٰ ﷺ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اللہ اکبر! جن کی شان یہ ہے کہ اگر ان کی معاونت میں انبیاء علیہم السلام بھی (بفرض محال) کوتاہی کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو علی الاعلان فسق کی وعید سنادے۔ جن کے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی ناگواری ہو تو ایمان جاتا رہے، جن کی آواز پر آواز اونچی ہو جائے تو ساری نیکیاں برباد ہو جائیں، ان کو مردہ کہا جائے، ان کی آرام گاہ کو گڑھا قرار دیا جائے

اور ان کا کلمہ پڑھنے والوں کے خون میں کوئی حرارت پیدا نہ ہو۔ ان کے دل و دماغ میں ہیجان برپا نہ ہو۔ ان کے سینوں میں انتقام کی آگ نہ بھڑکے تو نہ وہ ایمان، ایمان ہے، نہ وہ اسلام، اسلام ہے، نہ وہ کلمہ، کلمہ ہے۔"[15]

قوتِ استدلال

علامہ سعیدیؒ کی تحریر میں زبردست قوتِ استدلال ہوتی ہے۔ وہ اسلام کے حقائق و فلسفہ کو مدلّل طریقے سے پیش کرتے ہیں اور مخالفین کے اعتراضات کی عقلی تردید کرتے ہیں۔ ایک مقام پر الوہیتِ باری پر زرعی پیداوار سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم ایک دانہ گندم کو زمین میں دبا کر چلے آتے ہیں، پھر وہ کون سی طاقت ہے جو اس دانہ گندم کو پھاڑ کر اس سے باریک کونپل نکالتی ہے اور وہ اس قدر باریک اور نازک ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مَسل ڈالیں تو ختم ہو جائے۔ پھر اس کونپل کو اس قدر شکتی اور قوت کون دیتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کا سینہ چیر کر، زمین کے اندر جا کر اپنی مستحکم جڑیں بنا لیتی ہے؟ پھر شبنم کے قطرے اور نسیم سحر کے نرم و نازک جھونکے اس میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں۔ سورج کی کرنیں اس میں پختگی لاتی ہیں اور وقت مقررہ پر ہونے والی بارشیں اس میں ہریالی پیدا کرتی ہیں۔ چاند کی کرنیں اس میں ذائقہ لاتی ہیں اور سورج کی تیز دھوپ اس فصل کا قوام تیار کر کے اسے مکمل کرتی ہے اور فصل کٹ جانے کے بعد تند و تیز آندھیاں دانہ کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لیے اہم رول ادا کرتی ہیں۔"[16]

نفسیاتی اسلوبِ بیان:

قرآنی اسلوب انسانی نفسیات کو پوری طرح پیشِ نظر رکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم و قلم جب وعظ و تذکیر میں مخاطب کی نفسیات کو مدِّ نظر رکھیں تو اس کے بہت مفید اثرات رونما ہوں گے۔ علامہ سعیدیؒ کی تحریر میں ہمیں یہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"صحت اور بیماری، زندگی اور موت سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ اگر وہ کسی شخص کو بیمار کرنا چاہے تو ہم ہزار جتن کے باوجود اس کی صحت واپس نہیں لا سکتے جب کہ اس جیسی بیماری کے ہزاروں مریض معمولی علاج سے شفایاب ہو جاتے ہیں اور

اس بیمار کے لیے بڑے سے بڑے ڈاکٹر اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے کے باوجود اس کی صحت کو واپس نہیں لاسکتے اور بالآخر وہ شخص بیماری کے ایام گزارتا ہے اور اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی زندگی کی ایک میعاد مقرر کی ہے اور جب کوئی انسان اپنی زندگی کے سانس پورے کر لیتا ہے تو خواہ وہ بادشاہ ہو یا فقیر، بڑے سے بڑا ڈاکٹر ہو یا ماہر طبیب، سائنس دان ہو یا فلسفی، اسے بہر حال اس وقت مرنا ہی پڑتا ہے۔ بڑی سے بڑی کوشش اور اہم سے اہم سائنسی علم ہزار جتن کے باوجود مدت حیات پوری ہونے کے بعد اسے موت کے چنگل سے نہیں بچا سکتا۔"[17]

اس عبارت میں اگر غور کیا جائے تو علامہ سعیدیؒ کے الفاظ انسانی جذبات و احساسات سے براہِ راست مخاطب ہیں اور ایک شکستہ دل شخص کو مشکل وقت میں سادہ، موثر اور دلنشیں الفاظ کا سہارا لے کر اس کے لیے راحت و آرام کا سامان کر رہے ہیں۔

بے تکلفانہ اندازِ بیان اور فصاحت و بلاغت:

انسانی مزاج سے شناسائی پیدا کرنے کے لیے کلام میں فصاحت و بلاغت بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ تب ہی تحریر دوسرے شخص کے دل کی ترجمانی کرتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ فصاحت و بلاغت انسانی جذبات و احساسات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ علامہ سعیدیؒ ایک مقام پر انسانی فطرت کو بہت عمدگی کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب انسان مصیبتوں کے جنجال میں پھنس جاتا ہے اور اسے نجات کا کوئی راستہ نہیں ملتا اس وقت کٹر سے کٹر کافر بھی اللہ کی طرف رجوع کر لیتا ہے، جب خشکی اور تری کے سفروں میں لوگ مبتلائے آفات ہو کر پریشان ہو جاتے ہیں اور ایسی شدید صعوبتیں اور ہولناک طوفان پیش آتے ہیں، جن سے ذہن پریشان، دل مضطرب اور بدن کا رُواں رُواں خوف سے کانپنے لگتا ہے، ایسے ہولناک سفر میں بت پرست اور ضدی سے ضدی مشرک بھی اپنے بتوں کو بھول جاتا ہے اور بڑے سے بڑا دہریہ بھی اپنے الحاد سے توبہ کر لیتا ہے اور ان تمام لوگوں کو اس وقت اپنے عقیدہ سے تراشے ہوئے سارے باطل خدا ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس وقت انہیں خدائے واحد کے سوا کسی کے دامن میں پناہ نظر نہیں آتی۔"[18]

گویا دورانِ مطالعہ قاری اس بات سے بہ خوبی واقف ہو جاتا ہے کہ آپ کی طرز تحریر فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار ہے اور یہ رنگ آپ کی تمام تحریروں میں نمایاں ہے۔

افہام و تفہیم کے لیے قصص و حکایات کا استعمال:

مولانا روم کا شعر ہے:

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

علامہ سعیدیؒ نے اپنی تحریر میں جا بجا تمثیلی قصص و حکایات نقل فرمائی ہیں۔ جس کا ایک سبب مخاطب کی دلچسپی کو برقرار رکھنا ہے اور دوسرا سبب افہام و تفہیم میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ چناں چہ مظاہرِ فطرت کے بیان میں ایک حکایت نقل کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر سے کہنے لگا کہ میں شطرنج کے کھیل سے بڑا متعجب ہوتا ہوں کہ یہ کھیل ایک مربع فٹ تختہ کے ۶۴ خانوں میں کھیلا جاتا ہے اور اگر ان خانوں میں لاکھ مرتبہ بھی شطرنج کھیلی جائے تو ہر بار بازی مختلف ہوتی ہے۔ حضرت عمر فرمانے لگے: میں اس سے کہیں زیادہ بڑے امر پر تعجب کرتا ہوں کہ انسان کا چہرہ صرف بالشت بھر کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارب ہا ارب بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ چہرے پیدا کیے لیکن کوئی چہرہ دوسرے چہرے سے نہیں ملتا۔ کسی کی آنکھ دوسرے کی آنکھ سے، ناک ناک سے، ہونٹ ہونٹ سے اور کان کان سے نہیں ملتے۔"[19]

اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"اور میں کہتا ہوں کہ چہرہ تو بہت دور کی بات ہے انسان کے ہاتھ کی دو ڈھائی انچ کا انگوٹھا ہوتا ہے اور کسی انگوٹھے کی لکیریں دوسرے سے نہیں ملتیں۔ فتبٰرک اللہ احسن الخٰلقین۔"[20]

بہ طور نتیجہ لکھتے ہیں کہ:

"اس لیے اگر کوئی شخص محض ہٹ دھرمی پر نہیں اتر آیا تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ کسی فطری ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے بلکہ وہ مکمل طور پر اس خلاق واحد کی قدرت اور حکمت کا حسین شاہکار ہے۔"[21]

مذکورہ حکایت اور دیگر قصص اور امثلہ اگرچہ روایت کے نقطہ نظر سے ان میں کوئی کمزوری ہو سکتی ہے مگر ان سے جو سبق آموز نتائج اخذ کیے ہیں ان کی معنویت کا انکار ممکن نہیں۔

قدیم وجدید مآخذ سے استفادہ:

علامہ سعیدیؒ صاحب کی تحریر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ قدیم وجدید مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے دلائل کو پیش کرتے ہیں۔ آپ نے مختلف مقالات میں کثیر کتب سے استفادہ کیا ہے۔ مقالات سعیدیؒ میں کل حوالہ جات کی تعداد ۱۰۰ سے زائد ہے۔ جن میں تفسیر کبیر، روح المعانی، تفسیر بیضاوی، احکام القرآن، تفسیر قرطبی، صحاح ستہ، حنفی وشافعی مسالک کی کتب اور دیگر فنون کی کتب کے حوالہ جات جابجا ملتے ہیں۔

اشعار کا استعمال:

اپنے پیغام کو منتقل کرنے کے لیے، شاعری بہترین طریقہ ہے۔ ایک بات جو نثر کی صورت میں کی جائے شاید اثر کرے یا نہ کرے، شاید اس کی تاثیر چند دنوں تک رہے لیکن اس پیغام کو اگر شاعری کے انداز میں پیش کریں تو اس کی تاثیر کا دائرہ بھی زیادہ ہوگا اور بڑی مدت تک تاثیر رہی گی، اور احسن طریقہ سے آپ کے مفہوم کو مخاطب تک منتقل کردے گی۔

شاعری کی اہمیت آج کسی پر مخفی نہیں ہے، تمام اقوام کو تمام ممالک کو دیکھیں کہ ان کے جتنے بھی قومی ترانے ہیں، وہ سب شاعری کی صورت میں ہیں، سب نے محسوس کر لیا ہے کہ سادہ نثر میں اتنی تاثیر نہیں ہے جتنی شاعری میں ہے، جو پیغام آپ شاعری کی صورت میں بہترین طریقہ سے منتقل کر سکتے ہیں وہ نثر میں نہیں ہو سکتا۔ اشعار مافی ضمیر کے بیان میں بہت موثر ثابت ہوتے ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے:

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا ، وَإِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِكَمًا۔[22]

بعض بیان جادو اور کچھ اشعار حکمت کا خزینہ ہوتے ہیں۔

علامہ سعیدیؒ بھی موقع محل کے مطابق عربی، فارسی اور اُردو اشعار نقل کرتے ہیں۔ مثلاً

علامہ فضل حق خیر آبادی کی سیاسی بصیرت، انگریزی استبداد کے خلاف جہاد اور پھر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد موت کو گلے لگالیا اور اہلِ دنیا پر ظاہر کر دیا۔ آپ کی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے یہ شعر نقل کیا:

زندگی اتنی غنیمت تو نہیں جس کے لیے

عہد کم ظرف کی ہر بات گوارا کر لیں[23]

علامہ سعیدیؒ نے تاریخ کی ستم ظریفی کے حوالہ سے لکھا:

غور کیجیے کہ یہ تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ جو لوگ قیام پاکستان کے محرک اوّل تھے، ان کا کوئی نام نہیں لیتا اور بعد کے لوگوں کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔

نیرنگیٔ سیاست دوراں تو دیکھیے

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے[24]

کئی ایک مقامات پر علامہ اقبال کے فارسی اشعار نقل کرتے ہیں:

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است[25]

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است[26]

عربی اشعار سے استشہاد کرتے ہوئے حدیث لولاک کی بحث میں قصیدہ بردہ کا مصرعہ نقل کرتے ہیں:

لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم۔

اور عربی زبان کا مشہور اور مستند شاعر ابوالطیب متنبی کا یہ شعر بھی "لولا" کے بعد ضمیر مجرور متصل پر ایک قوی شہادت ہے:

الی ذی شیمة لشغفت فؤادی

فلولاہ لقلت بہ النیا[27]

فقہی اُسلوب:

علامہ سعیدیؒ علوم عقلیہ ونقلیہ پر دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ فقہی مزاج بھی رکھتے تھے اور آپ کا یہ انداز آپ کی تحریروں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مقالات سعیدیؒ میں جہاں فقہیات سے بحث کی ہے وہاں آپ نے کثرت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ نے مختلف مقدمات کا فیصلہ اس بالغ نظری اور صحیح فکر کے ساتھ کیا جس سے صرف ان جزوی معاملوں پر ہی اثر نہیں پڑا بلکہ ان فیصلوں سے فکر و اجتہاد کے اصول معلوم ہوئے اور امت کے لیے استنباط احکام اور استخراج مسائل کی راہیں کھل گئیں۔"[28]

اسی طرح مطلقہ عورت کو رہائش یا خرچہ ملے گا یا نہیں؟ اس پر حضرت فاطمہ بنت قیس کی گواہی پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہم کتاب و سنت کو محض ایک عورت کے قول کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے۔[29] اس روایت کو نقل کرتے ہوئے علامہ سعیدیؒ بطور نتیجہ لکھتے ہیں:

"اس فیصلہ سے یہ اصول معلوم ہوا کہ خبر واحد سے کتاب اور سنت متواترہ کے حکم کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چناں چہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اکثر احکام اسی اصول سے مستنبط کیے ہیں۔"[30]

علامہ سعیدیؒ نے تحریم متعہ پر ۱۳ صفحات رقم کیے ہیں، جن میں متعہ کی تعریف اور اس کے احکام، رواج متعہ اور حضرت عمرؓ، حرمت متعہ کتاب اللہ سے، حرمت متعہ صحاح اہلِ سنت سے، حرمت متعہ صحاح امامیہ سے، حلت متعہ پر امامیہ کے استدلال کا جواب، ابن عباسؓ کے فتویٰ کا جواب ان سرخیوں کے ذیل میں ۲۰ سے زائد حوالہ جات کے ساتھ اپنے موقف کو دلائل سے مبرہن کیا ہے، آخر میں لکھتے ہیں:

"ہم نے بادلائل واضح کر دیا ہے کہ اسلام میں متعہ کا کوئی تصور نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول برحق نے متعہ کو حرام کر دیا ہے، اللہ کا سلام ہو حضرت عمر پر جنہوں نے حرمت متعہ کو نافذ کر کے اور اس پر عمل کرا کے ملت اسلامیہ کو ایک مکروہ غلاظت سے محفوظ کر دیا ہے۔"[31]

ادب الاختلاف:

افکار، خیالات، عقائد، زبان، رنگ، نسل، معاشرت اور اظہارِ رائے میں اختلاف کہاں نہیں ہے؟ بلکہ قرآن کریم میں تو سورہ روم میں اختلاف کو آیات اللہ میں شمار کیا ہے۔ یعنی اختلاف ایک فطری اَمر ہے جس کے ذریعے تمدّن ارتقاء پذیر ہوتا ہے۔

ایسے بہت سے مسائل ملیں گے جن میں حضرات صحابہ کا آپس میں اختلاف رہا مثلاً سماع موتیٰ، معراج جسمانی و رؤیتِ باری تعالیٰ وغیرہ۔ اسی طرح فقہاء و محدثین میں ہزارہا مسائل میں اختلاف رہا یہاں تک کہ امام اعظمؒ کا امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی اکثر رائے میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اسی طرح ہر دور میں اہلِ علم حضرات میں بھی فروعی معاملات میں اختلاف نظر آتا ہے۔

لیکن یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ اختلاف کے کچھ قواعد و ضوابط اور اصول ہوتے ہیں جن پر عمل کر کے مثبت انداز میں معاشرہ کی تشکیل نو ممکن بنائی جا سکتی ہے۔ علامہ سعیدیؒ نے جہاں بھی اختلاف کیا تو ادب الاختلاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

"ہم نے دلائل کے ساتھ مودودی صاحب کی اس عبارت پر تعمیری تنقید کی ہے اور چوں کہ موصوف خود آزادی رائے کے اظہار کے قائل ہیں (لہٰذا ہمیں بھی اس کا حق ملنا چاہئے)۔"[32]

علامہ سعیدیؒ 4 فروری 2016ء عشاء کی اذان کے قریب شب جمعہ کو اس دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لیے غروب ہوگئے۔ لیکن بصورت شرح صحیح مسلم، تبیان القرآن، نعمۃ الباری، تبیان الفرقان، تذکرۃ المحدثین، مقالات سعیدیؒ، توضیح البیان، ذکر بالجہر کی صورت میں قیامت تک امت مسلمہ کے درمیان روز روشن کی طرح چمکتے دمکتے رہیں گے۔

خلاصہ کلام

المختصر علامہ غلام رسول سعیدیؒ نے مقالات سعیدی میں قدیم و جدید مسائل پر بطورِ فقیہ، احادیث کی فنی ابحاث پر بطور محدث، تفسیری نکات پر بہ حیثیت مفسر، مسائل کی جزئیات پر بحث کرتے ہوئے بہ حیثیت مجتہد اپنی ذاتی آراء بھی پیش کی ہیں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ جہاں علامہ سعیدیؒ کی دو تفاسیر بنام تبیان القرآن اور تبیان الفرقان اور دو شروحاتِ حدیث پر مختلف جہات میں درجنوں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر مقالات لکھے گئے ہیں وہاں ان کتب مثلاً تذکرۃ المحدثین، مقالات سعیدیؒ، توضیح البیان وغیرہ پر بھی توجہ دی جائے اور مزید ایم فل کی سطح پر تحقیقی کام کروایا جائے تاکہ ان کے محاسن و امتیازات مزید نکھر کر سامنے آئیں اور مزید استفادہ کی راہیں ہموار ہوں۔

حواشی و حوالہ جات

[1] علامہ غلام رسول سعیدیؒ، تبیان الفرقان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۴ء، ج 1، ملخصاً ص 41۔

[2] علامہ غلام رسول سعیدیؒ، مقالات سعیدیؒ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، مارچ ۲۰۱۴ء، ص ۱۶۔

[3] ایضاً ص ۱۸۔۱۹۔

[4] ایضاً ص ۶۳۔۶۴۔

[5] ایضاً ص ۱۲۴۔

[6] ایضاً ص ۱۴۳۔۱۴۴۔

[7] ایضاً ص ۱۴۵۔

[8] ایضاً ص ۴۷۔

[9] ملا علی قاری، شرح فقہ اکبر، ص ۱۲۲۔ بحوالہ سعیدیؒ، مقالات سعیدیؒ، ص ۷۵۔

[10] سعیدیؒ، مقالات سعیدیؒ، ص ۷۵۔

[11] ڈاکٹر محمد عاطف اسلم راؤ، تزکرہ محدث اعظم پاک وہند، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، مارچ ۲۰۱۸ء، ج ۷۵۔

[12] سعیدیؒ، مقالات سعیدیؒ، ص ۱۱۸۔

[13] ایضاً ص ۱۱۹۔

[14] شیخ احمد سرہندی، مکتوبات دفتر سوم، حصہ نہم، ص ۱۵۵، مکتوب ۱۲۲۔ بحوالہ سعیدیؒ، مقالات سعیدیؒ، ص ۱۲۲۔

[15] سعیدیؒ، مقالات سعیدیؒ، ص ۱۴۶۔۱۴۷۔

[16] ایضاً ص ۲۱۔

[17] ایضاً ص ۳۱۔

[18] ایضاً ص ۳۵۔

[19] ایضاً ص ۲۷۔

[20] محولہ بالا۔

[21] ایضاً ص ۲۸۔

[22] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب انکاح، باب خطبۃ، رقم الحدیث: ۵۷۶۷۔

[23] ایضاً ص ۵۳۷۔

[24] ایضاً ص ۴۹۸۔

[25] ایضاً ص ۴۴۲۔

[26] ایضاً ص ۴۴۱۔

[27] ایضاً ص ۱۱۸۔

[28] ایضاً ص ۱۸۲۔

[29] ایضاً ۔

[30] ایضاً۔

[31] ایضاً ص ۱۹۷۔

[32] ایضاً ص ۳۷۱۔